وقف کی حقیقت و عظمت

(فرمودہ ۱۰۔ اپریل ۱۹۴۴ء)

۱۰۔ اپریل ۱۹۴۴ء بعد نماز عصر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مولوی نور الحق صاحب مولوی فاضل کا نکاح صفیہ صدیقہ بنت قاضی محمد رشید صاحب کے ساتھ پانچ سو روپیہ مہر پر اور سید محمد اکمل صاحب کا نکاح صادقہ بیگم بنت مرزا قدرت اللہ صاحب سے دو ہزار پانچسو روپیہ مہر پر پڑھا۔ ۱؎

خطبہ مسنونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا

میں اس وقت کچھ زیادہ نہیں کہنا چاہتا کیونکہ میں نے دعا کے لئے بھی جانا ہے لیکن اس نکاح کی نسبت جس کے اعلان کے لئے میں کھڑا ہوا ہوں دو ضروری باتیں میں اس وقت کہنا چاہتا ہوں ایک تو جماعت کے لحاظ سے اور ایک ان لوگوں کے لحاظ سے جن کی وجہ سے مجھے اس بات کے کہنے کی ضرورت پیش آئی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ حکماً فرماتا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ ۲؎ تم میں سے ایک جماعت حتمی طور پر ایسی ہونی چاہئے کہ وہ دعوت الی الخیر کرتی رہے۔ یہ جماعت جو کلی طور پر اپنے آپ کو دعوت الی الخیر کے ساتھ وابستہ کردے گی یہ لازمی بات ہے کہ وہ اس قسم کے دنیوی فوائد حاصل نہیں کرسکے گی جس قسم کے دنیوی فوائد دوسرے لوگ حاصل کرتے ہیں یا اس قسم کی تعلیم حاصل نہیں کرسکتی جس قسم کی تعلیم آج کل دولت لایا کرتی ہے۔ وہ دین کی خاطر اپنے آپ کو وقف کرنے کے لئے اور دینی خدمات کرنے کے لئے لازماً ان ذرائع کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھیں گے جو دولت لاتے ہیں یا آج کل کے معیار

کے لحاظ سے عزت لاتے ہیں کیونکہ آج کل ساری عزت دولت سے وابستہ ہے اور جب وہ اس معیار کو کھو بیٹھیں گے جس کے ذریعہ دولت کمائی جاتی ہے تو اس کے دوسرے معنے یہ ہوں گے کہ وہ دولت مند نہیں ہوں گے کیونکہ وہ اپنی زندگی دین کے لئے وقف کر چکے ہوں گے۔ بلکہ اگر انہیں وہ ذرائع معلوم بھی ہوتے جن سے دولت کمائی جاسکتی ہے تب بھی دولت کما نہ سکتے۔ الا ماشاء اللہ۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ تم میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی موجود ہونی چاہئے جو دعوت الی الخیر کا کام کرتی رہے تو یہ لازمی بات ہے کہ ایسا کام کرنے والی جماعت دولت نہیں کما سکے گی اِلَّا مَنْ يَّفْتَحِ اللّٰهُ لَهٗ أَبْوَابَ رَحْمَتِهٖ بِيَدِهِ الْكَرِيْمَةِ کیونکہ ان کے پاس وقت ہی نہیں ہوگا۔ یا دوسروں کے مقابلہ میں نہایت قلیل اور تھوڑا وقت ہوگا تو چونکہ اس زمانہ میں ساری عزت، ساری ترقی اور سارا وقار دولت کے ساتھ وابستہ ہے اس لئے قدرتی طور پر لوگوں میں اس قسم کے آدمی تحقیر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ایسے آدمیوں کو اپنی بیٹیاں دینا ان کی زندگیوں کو خراب کرنا ہے چنانچہ جب بھی رشتہ کا سوال آتا ہے انہیں رشتہ دینا ان کی طبائع پر گراں گزرتا ہے۔ اسی طرح وہ جب کبھی ایسی مجلس میں جاتے ہیں جہاں بڑے آدمی بیٹھے ہوں تو اول تو وہ ان کی طرف رغبت ہی نہیں کرتے اور اگر کریں تو ان کی رغبت ایسی ہوتی ہے جیسے انگریز مرد اور عورت اپنے کتے سے رغبت کا اظہار کرتے ہیں اور پھر جو لوگ ان کا بظاہر ادب اور لحاظ کرتے ہیں ان کے طریق عمل سے بھی یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ وہ تذلل اختیار کر کے یا صدقہ وخیرات کے طور پر یا پبلک سے ڈر کر ان کی طرف توجہ کرتے ہیں ورنہ ان کے دلوں میں ان کا احترام نہیں ہوتا۔

رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں یا اس سے پہلے زمانوں میں یہ بات کم تھی کیونکہ اس وقت دولت کی اتنی قدر نہ تھی جتنی آج کل ہے آج کل تمام باتوں میں اہمیت دولت کو ہی حاصل ہے پہلے زمانوں میں بھی تھی لیکن ایک حد تک۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک لطیفہ مشہور ہے وہ ایک دفعہ سفر کرتے ہوئے کسی شہر کی سرائے میں اترے تو انہیں معلوم ہوا کہ کسی رئیس کے ہاں بہت بڑی دعوت ہے۔ اس زمانہ میں بے تکلفی لوگوں میں زیادہ پائی جاتی تھی اور پھر اس کی دعوت بھی عام تھی سرائے والے نے کہا ہم نے آج کھانا نہیں پکایا کیونکہ فلاں امیر نے دعوت کی ہے آپ بھی وہاں تشریف لے جائیں۔ یہ وہاں سے اٹھے اور انہی میلے کچیلے

کپڑوں میں اس امیر کے ہاں چلے گئے چونکہ یہ بہت بڑے عالم فاضل تھے اس لئے جاتے ہی دلیری سے صاحب صدر کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک رئیس اس دعوت میں شمولیت کے لئے آگیا اس پر ایک نوکر دوڑا دوڑا آیا اور انہیں کہنے لگا میاں ذرا پیچھے ہٹ جاؤ یہ جگہ آپ کے لئے نہیں۔ وہ وہاں سے اٹھے اور دوسری جگہ جا بیٹھے تھوڑی دیر کے بعد ایک اور رئیس آگیا اور اس پر دوسرا نوکر دوڑا دوڑا آیا اور اس نے وہاں سے بھی اٹھا دیا وہ اٹھ کر اور پیچھے چلے گئے۔ اتنے میں بعض اور رؤسا آگئے اور نوکروں نے پھر ان سے کہا میاں ذرا اور پرے ہو جاؤ وہ ان کے کہنے پر اور پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ ہٹتے ہٹتے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ جوتیوں میں جا بیٹھے خیر انہوں نے کھانا کھایا اور اٹھ کر چلے گئے۔ اس رئیس نے تین دن کی دعوت کی ہوئی تھی دوسرے دن انہوں نے ایک بڑا سا خلعت جو کسی بادشاہ نے ان کو دیا تھا اور جس پر سونے چاندی کا خوب کام کیا ہوا تھا پہنا اور جا کر جوتیوں میں بیٹھ گئے۔ اس پر جس طرح کل ایک ایک نوکر ان کو پیچھے ہٹاتا تھا اسی طرح ایک ایک نوکر آتا اور کہتا یہاں نہیں آگے تشریف لے چلیں، پھر دوسرا نوکر آتا اور کہتا یہاں نہیں اور آگے چلیں یہاں تک کہ ہوتے ہوتے وہ صاحب صدر کے قریب جا بیٹھے۔ جب کھانا سامنے آیا تو چونکہ وہ صوفی منش تھے اور جبوں اور خلعت کی انہیں کوئی پرواہ نہ تھی اس لئے انہوں نے اپنے اس کوٹ کو جو خوب مطلّا اور موتیوں سے جڑا ہوا تھا مروڑا اور شوربے کے پیالے میں بھگو دیا اس پر سب لوگ حیران ہو گئے کہ یہ کیا کر رہا ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید پاگل ہو گیا ہے کہ ایسا قیمتی کوٹ شوربے کے پیالے میں ڈبو رہا ہے۔ صاحب خانہ کو بھی یہ بات عجیب معلوم ہوئی اور اس نے ان سے کہا صاحب آپ یہ کیا کر رہے ہیں اس پر انہوں نے کہا کل میں آیا تھا تو مجھے گھسیٹ گھسیٹ کر جوتیوں میں بٹھا دیا گیا تھا مگر آج کوٹ صاحب آئے ہیں تو ان کی خاطر مجھے بھی اونچی جگہ پر بٹھا دیا گیا اس لئے یہ دعوت ان کی ہے میری نہیں اور میں انہیں کو یہ دعوت کھلا رہا ہوں۔ لوگوں نے نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپ شیخ سعدی ہیں۔ چونکہ ان کا نام ہر جگہ پہنچ چکا تھا اس لئے صاحب خانہ نے بڑی معذرت کی کہ نوکروں نے حماقت سے کام لیا اور آپ کو بلاوجہ تکلیف پہنچی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ نوکروں نے کیا حماقت کرنی تھی دنیا میں رواج یہی ہے کہ روپیہ کی عزت کی جاتی ہے، علم کی عزت نہیں کی جاتی، دین کی عزت نہیں کی جاتی، شرافت کی عزت نہیں کی جاتی، تقویٰ وطہارت کی عزت نہیں کی جاتی، سوائے اس تقویٰ وطہارت کے جہاں

فحان ان تعان و تعرف بین الناس ؎ کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہو جاتا ہے مگر وہ عزت بھی لوگ فرشتوں کی مار کھا کر کرتے ہیں اپنے طور پر نہیں کرتے۔

میں دیکھتا ہوں کہ یہ مرض ہماری جماعت میں بھی پایا جاتا ہے جب کبھی وقف زندگی کی تحریک کی جائے اور نوجوانوں سے کہا جائے کہ وہ اپنے آپ کو خدمت دین کے لئے وقف کریں اول تو کھاتے پیتے لوگوں کی اولاد وقف زندگی کی طرف آتی ہی نہیں اور پھر جو لوگ آتے ہیں امراء ان کی طرف تحقیر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان سے بات کرنا یا ان کے ساتھ چلنا پھرنا ہماری طرف سے ایک قسم کا تذلل ہے ورنہ خود یہ اس بات کے مستحق نہیں ہیں۔ اسی طرح ان کی شادیوں اور بیاہوں میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں اور میرے نزدیک یہ امر بہت بڑے قومی تنزل کی علامت ہے۔ اگر واقع میں یہ درست ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؎ تو خدا تعالیٰ کے حضور جس کو عزت حاصل ہو ہمیں اسی کو عزت دینی چاہئے یا تو ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ جو شخص بڑا دنیادار ہو وہ خدا کے حضور معزز ہوتا ہے اور اگر یہ بات درست نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ جس کو عزت دیتا ہے یقیناً ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم انہیں کو عزت دیں اور ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے دربار میں عزت پانے والے کے مقابلہ میں دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا، نہ قیصر اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت رکھتا ہے، نہ کسریٰ اس کے مقابلے میں کوئی حقیقت رکھتا ہے، نہ کوئی اور بادشاہ یا پریذیڈنٹ اس کے مقابل پر کوئی عزت رکھتا ہے۔ بے شک دنیوی بادشاہ بھی عزتیں رکھتے ہیں مگر انہیں دنیا کی عزتیں ہی حاصل ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی کوئی عزت نہیں۔

پس یہ ایک غلط بات ہے جو ہماری جماعت میں پیدا ہو گئی ہے اور جس کا بدلہ نفسیاتی طور پر انہیں ضرور ملے گا اگر وہ سلسلہ کی خدمت کرنے والوں کی عزت نہیں کریں گے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ آئندہ لوگ دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف نہیں کریں گے کیونکہ یہ سلسلہ روحانی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگ ہمیشہ پیدا کرتا رہے گا جو دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں مگر یہ ضرور ہو گا کہ جو لوگ معزز سمجھے جاتے ہیں خدا تعالیٰ ان کو ذلیل کر دے گا۔

دوسری طرف میرے نزدیک ہر چیز میں ایکشن اور ری ایکشن یعنی تأثیر اور تأثر کا ایک لمبا سلسلہ جاری ہے اور یہ تأثیر اور تأثر کا سلسلہ ابھی اتنا وسیع نظر آتا ہے کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں جس سبق کو متواتر سیکھا ہے اور میں جس بات کو بچپن میں نہیں

سمجھتا تھا جس بات کو جوانی میں نہیں سمجھتا تھا مگر جس بات کا ایک لمبے تجربہ کے بعد مجھے قائل ہونا پڑا وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مکافات عمل کا سلسلہ دنیا میں ایسے باریک طور پر جاری ہے کہ جو شخص اس سلسلہ کا مطالعہ کرتا ہے وہ حیران رہ جاتا ہے اور بعض دفعہ تو یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ توبہ اور معافی کوئی چیز ہی نہیں۔ دنیا میں مکافات عمل ایسی شدت سے جاری ہے اور ایسے باریک در باریک اور پیچیدہ در پیچیدہ طریق پر اور ایسے مماثل طور پر وہ شکل اختیار کر کے ظاہر ہوتی ہے کہ انسان کو حیرت آجاتی ہے اور وہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ اگر دنیا میں یہ سلسلہ جاری ہے تو پھر توبہ اور معافی کے معنی ہی کیا ہوئے۔

بات یہ ہے کہ لوگ زبانی توبہ کو توبہ اور استغفار کو استغفار سمجھ لیتے ہیں اور خیال کر لیتے ہیں کہ جب انہوں نے زبان سے معافی مانگ لی اور جب انہوں نے مونہہ سے استغفار کر دیا تو خدا نے بھی ان کو معاف کر دیا ہوگا حالانکہ جو چیز معافی دلاتی ہے وہ زبانی توبہ نہیں بلکہ وہ گہری توبہ ہے جو دل کو چیر دینے والی اور اسے خون کر دینے والی ہوتی ہے۔ وہ توبہ ہو تو انسان مکافات عمل سے بچ سکتا ہے ورنہ ننانوے فی صدی لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جو گناہوں کے بعد توبہ کرتے ہیں مگر ان کی توبہ حقیقی توبہ نہیں ہوتی۔ ان کا استغفار حقیقی استغفار نہیں ہوتا وہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ان کا گناہ معاف ہو چکا مگر باریک در باریک راہوں سے انہیں اپنے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ میں نے اس بات کا تجربہ کیا اور بارہا اور متواتر تجربہ کیا ہے۔ بعض دفعہ دس دس پندرہ پندرہ سال کے بعد کوئی شخص پکڑا جاتا ہے وہ اس وقت یہ نہیں سمجھ رہا ہوتا کہ وہ کیوں پکڑا گیا مگر مجھے اس کا دس یا پندرہ سال پہلے کا کوئی واقعہ یاد ہوتا ہے اور میں سمجھ رہا ہوتا ہوں کہ وہ کیوں اس کی گرفت میں آیا۔ میں نے اس بات کو اتنا دیکھا ہے اتنا دیکھا ہے کہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے دنیا میں تدبیر کچھ نہیں تقدیر ہی تقدیر چل رہی ہے۔

پس چونکہ دنیا میں تمام اشیاء تأثیر و تأثر کا ایک لمبا سلسلہ اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اس لئے جب جماعت کے ایک حصہ میں یہ نقص پایا جاتا ہے کہ وہ دین کے لئے اپنی زندگی وقف کرنے والوں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو میں واقفین سے کہتا ہوں کہ ان کو بھی غور کرنا چاہئے کہ کیوں ان کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے۔ بے شک وہ واقفین زندگی ہیں مگر میں ان میں بھی دنیاداری دیکھتا ہوں۔ فرض کرو ہماری جماعت میں سے بعض دنیادار یہ کہتے ہیں کہ ہم ایسے شخص کو اپنی لڑکی کیوں دیں جس کے پاس دنیا نہیں اور ان کی یہ بات سن کر وہ واقف زندگی یا

اس کے رشتہ دار برا مناتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ وہ واقف کیوں اوپر کی طرف نگاہ رکھتا ہے۔ جب کسی نے اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کر دیا تو اس کے لئے یہ سوال جاتا رہا کہ اس کی شادی کسی امیر کی لڑکی سے ہوتی ہے یا اس کی شادی کسی غریب کی لڑکی سے ہوتی ہے مگر جب وہ چاہتا یہ ہے کہ جس شخص کی آمد مجھ سے زیادہ ہو، جس کی مالی حالت مجھ سے بہتر ہو، جو شخص دولت اپنے پاس رکھتا ہو اس کی لڑکی سے میں شادی کروں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ گو اس نے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے مگر پوجا وہ دنیا کی ہی کرتا ہے اور وہ بھی اسی مندر میں جاکر اپنا ماتھا ٹیکتا ہے جس میں دوسرا دنیا دار اپنا ماتھا ٹیک رہا ہوتا ہے تبھی تو وہ ایسے گھرانوں میں اپنی شادی کا خواہش مند ہوتا ہے جو مالدار ہوں اور جو دولت و ثروت رکھتے ہوں۔ اگر وہ دنیا کو چھوڑ چکا ہے تو کیوں وہ چھوٹی جگہ اپنے لئے پسند نہیں کر لیتا۔ اس کے دل میں یہ احساس کہ میری شادی کسی کھاتے پیتے شخص کی لڑکی سے ہو کسی غریب کے ہاں میری شادی نہ ہو بتاتا ہے کہ دنیا کا بت اس نے اپنے دل سے نکالا نہیں صرف اس کی جگہ بدل لی ہے ایک کمرہ سے اس بت کو نکال کر اس نے دوسرے کمرہ میں رکھ لیا ہے ورنہ وہ سجدہ تو اسی بت کو کرتا ہے اور پرستش اسی بت کی کر رہا ہے۔ اگر دنیا کو وہ چھوڑ چکا ہوتا اگر خدا کے لئے وہ حقیقی معنوں میں اپنی زندگی کو وقف کر چکا ہوتا تو پھر اسے یہ کوئی خیال نہیں آنا چاہئے تھا کہ اس کی شادی کسی امیر کے ہاں ہوتی ہے یا چوہڑوں اور چماروں کے ہاں ہو جاتی ہے۔ اگر اس نے دنیا چھوڑنی ہے تو دنیا چھوڑنے کی علامت بھی تو اس میں نظر آنی چاہئے۔

ہماری جماعت کے ایک دوست ہیں ان کی یہ عادت ہے کہ وہ ہمیشہ سلسلہ کے چوٹی کے امیر آدمیوں کے گھروں میں اپنے بیٹوں کے رشتہ کے متعلق درخواست دے دیتے ہیں اور جب وہ انکار کر دیتے ہیں تو پھر شور مچاتے اور مجھے خط پر خط لکھتے ہیں کہ دیکھئے ابھی تک جماعت کی اصلاح نہیں ہوئی آپ اور خطبہ پڑھیں اور جماعت کو توجہ دلائیں کہ رشتہ کے بارہ میں وہ کسی امتیاز کا خیال نہ کریں۔ مجھے ہمیشہ ان کے خطوط پر ہنسی آتی ہے اور میں انہیں کہا کرتا ہوں کہ آپ تو کبھی امراء کو درخواست نہیں دیتے آپ تو ہمیشہ اپنے سے ادنیٰ لوگوں کے ہاں اپنے لڑکوں کے متعلق درخواست دیا کرتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ لوگ اس امتیاز کو مٹا دیں تو پھر آپ کیوں اپنے لڑکوں کے رشتہ کے متعلق انہی لوگوں کو درخواست دیتے ہیں جو دنیوی طور پر معزز ہوتے ہیں۔ اگر اسلام کا یہ حکم ہے کہ لڑکی کا رشتہ اگر اپنے سے ادنیٰ درجہ والے کو دینا

پڑے تو بے شک اسے دے دو تو اسلام لڑکوں کے متعلق بھی تو یہ ہدایت دیتا ہے کہ اگر تمہیں ان کے لئے غرباء میں رشتہ ملتا ہے تو بے شک غریب لڑکی کا رشتہ لے لو۔ ایک حکم کو ماننا اور دوسرے کا انکار کر دینا یہ کہاں کا انصاف ہے۔ لڑکے والوں کو بھی حکم ہے کہ جہاں خدا نے ان کے لئے رشتہ مقدر کیا ہو قطع نظر اس سے کہ لڑکی امیر ہو یا غریب لے لیں اور لڑکی والوں کو بھی حکم ہے کہ شرافت اور تقویٰ کو دیکھ کر رشتہ کریں۔ اور اگر انہیں کوئی امیر رشتہ نہیں ملتا تو غریب کو ہی دے دیں۔

پس میں ان میں بھی دنیا داری دیکھتا ہوں۔ وہ شخص جو کہتا ہے کہ جس نے دین کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے میں اسے اپنی لڑکی کیوں دوں اور وہ اسے تحقیر و تذلیل کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جب یہ اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کر چکا تو روٹی کہاں سے کھائے گا اس کے اس نقطہ نگاہ کے معنے یہ بنتے ہیں کہ جو شخص خدا کے لئے اپنی زندگی وقف کرتا ہے وہ حقیر ہے مگر جو انگریز کو اپنی زندگی دے دیتا ہے وہ معزز ہے۔ جو شخص انگریز کو اپنی زندگی دے دیتا ہے اور صوبیدار یا تحصیلدار یا ای اے سی بن جاتا ہے وہ بڑا معزز ہے مگر وہ جو خدا کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتا ہے وہ نعوذ باللہ بڑا ذلیل ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سے زیادہ معزز کون ہے جو انگریزوں کا غلام بن جائے اور اس سے زیادہ ذلیل کون ہے جو بندوں کی نوکری چھوڑ کر خدا کی نوکری کرنے لگ جائے۔ اس کے مقابلہ میں جب ایک واقف زندگی کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ میری شادی فلاں مالدار کے گھر میں ہو جائے یا میری شادی فلاں کھاتے پیتے شخص کی لڑکی سے ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ منہ سے تو کہتا ہے کہ اس نے دنیا کو چھوڑ دیا مگر عملی طور پر وہ دنیا کا ہی پرستار ہے۔ اگر واقع میں اس نے دنیا کو چھوڑ دیا ہوتا، اور اگر واقعہ میں وہ اپنے تمام ارادوں اور اپنی تمام نیتوں کو خدا کے تابع کر چکا ہوتا تو اس صورت میں اگر ایک چوڑھی سے بھی اسے شادی کرنی پڑتی تو وہ خوشی سے شادی کے لئے تیار ہو جاتا اور کہتا کہ اگر خدا میرے لئے ایک چوڑھی پسند کرتا ہے تو مجھے وہ چوڑھی منظور ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے لئے ایک چمارن کا فیصلہ کر دیتا ہے تو مجھے اپنے لئے وہ چمارن منظور ہے۔ جس چیز کی اس کو ضرورت ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسی بیوی جو تعلیم یافتہ ہو اور اس تہذیب و تمدن کی حامل ہو جس تہذیب و تمدن کا وہ خود حامل ہے۔ پس اگر لڑکی میں یہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں وہ دین سے واقفیت رکھتی ہے وہ تعلیم یافتہ ہے وہ اسلامی تہذیب

و تمدن کی حامل ہے اور یہ سب چیزیں اس میں پائی جاتی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس رشتہ کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کرے اور کہے کہ مجھے وہ منظور نہیں کیونکہ وہ غریب ہے۔ بے شک شریعت نے پسندیدگی کی شرط رکھی ہے۔ بے شک شریعت نے اس امر کو جائز قرار دیا ہے کہ تم اپنی رغبت کو بھی دیکھ لو اور پھر فیصلہ کرو کہ تمہیں کہاں رشتہ منظور ہے۔ یہ شرط نبی کے لئے بھی ہے اور غیر نبی کے لئے بھی۔ اگر کسی کو پندرہ رشتے ملتے ہوں تو خواہ وہ کیسے ہی ادنیٰ ہوں وہ پندرہ میں سے ایک کو انتخاب کرنے کا ضرور حق رکھتا ہے اور میرے نزدیک وہ لوگ نادان ہیں جو دوسرے کو مجبور کرتے ہیں کہ ضرور فلاں رشتہ لو۔ جب شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ۵ تو بہرحال شادی کرنے والے کی مرضی کو مقدم رکھا جائے گا اور یہ صورت اسی وقت ہوگی جب اسے نساء مل رہی ہوں گی اور جب اسے نساء مل سکتی ہوں تو ایسی صورت میں مَا طَابَ لَكُمْ کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہوگا۔

پس وہ شخص جو کسی کو مجبور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ضرور فلاں جگہ رشتہ کرو یا ضرور میری لڑکی لو وہ بھی نادان ہے۔ جب خدا نے یہ کہہ دیا ہے کہ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ تو تم کون ہو جو مجبور کرو۔ نہ لڑکے والوں کو اس بات پر مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ضرور فلاں جگہ رشتہ کریں نہ لڑکی والوں کو مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ضرور فلاں جگہ رشتہ کریں دونوں کے لئے مَا طَابَ لَكُمْ کے الفاظ ہیں۔ جس طرح مردوں کو اس بات میں آزادی حاصل ہے کہ وہ وہیں رشتہ کریں جہاں وہ پسند کرتے ہیں قرآن کریم میں صاف لکھا ہے کہ جیسے مردوں کو ہم نے حقوق دیئے ہیں ویسے ہی عورتوں کو حقوق حاصل ہیں پس مَا طَابَ لَكُمْ کا حکم مرد کے لئے بھی ہے اور عورت کے لئے بھی ہے۔ لیکن جہاں تک تمدنی درجہ کا سوال ہے اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہونی چاہئے کہ لڑکی غریب ہے یا امیر۔ اور اگر وہ ہمیشہ اپنے سے اوپر درجہ والے کی تلاش میں سرگردان رہتا ہے اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کی شادی کسی امیر کے ہاں ہو کسی کھاتے پیتے اور معزز آدمی کے ہاں ہو، غریب کے ہاں اگر اس کی شادی کی تجویز کی جائے تو وہ برا مناتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابھی اس کے دل میں شرک باقی ہے اور وہ دنیا کا ہی پرستار ہے۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ دوسرا شخص دنیا کی زیادہ پرستش کرتا ہے اور یہ کچھ کم کرتا ہے مگر ہوگا دنیادار ہی۔ حالانکہ انسان کو جو رشتے مل سکتے ہوں اس کا فرض ہے کہ ان میں سے ایک کو منتخب کرلے اور بجائے یہ دیکھنے کے کہ امیر کون ہے اور غریب کون وہ صرف یہ دیکھے کہ میری ضرورتیں کیا ہیں

اور کس قسم کا رشتہ میری ان ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی لڑکی میں دینی تعلیم پائی جاتی ہے یا وہ تقویٰ وطہارت اپنے اندر رکھتی ہے تو اسی قدر پایا جانا کافی ہے۔ ہاں اگر اس قسم کے دس بیس رشتے اس کے سامنے ہوں تو پھر بے شک اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں رشتہ لو یہ اس کا اپنا اختیار ہے کہ ان میں سے جس کو چاہے پسند کرے۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ اپنی حماقت کی وجہ سے اس بات پر ناراض ہو جاتے ہیں کہ ہماری لڑکی کا رشتہ فلاں نے کیوں نہیں لیا حالانکہ یہ اس کا حق تھا کہ وہ جس کو چاہے لے اور جس کو چاہے رد کردے۔ اسی طرح لڑکی والوں کا حق ہے کہ وہ جس کو چاہیں رشتہ دیں اور جس کو چاہیں رد کردیں سوائے اس کے کہ رشتہ سے انکار کرنے کی بنیاد یہ نہ ہو کہ چونکہ اس نے دین کے لئے اپنی زندگی وقف کی ہوئی ہے اس لئے ہم اسے رشتہ نہیں دیتے اگر وہ ایسا کہے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ وہ شخص جو دین کے لئے قربانی کرتا ہے وہ ذلیل ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جسے کوئی عقلمند قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح وہ واقف ہے جس کے سامنے غریب لڑکیوں کے رشتے پیش کئے جاتے ہیں تو وہ انکار کر دیتا ہے اور امیروں پر چھاپہ مارنے کے لئے تیار رہتا ہے اس کا طریق عمل بھی صریحاً غلط ہے اور اس کو صحیح تسلیم کرنے کے معنے یہ ہوں گے کہ نیکی اور تقویٰ مالداروں میں ہی ہوتا ہے غریبوں میں نہیں ہوتا۔ آخر جب وہ کہے گا کہ میں فلاں غریب لڑکی کا رشتہ نہیں لیتا تو کیا کہے گا یہی دلیل دے گا کہ اس میں نیکی کم ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ غرباء نیک نہیں ہوتے صرف امراء ہی نیک ہوتے ہیں اور یہ بات بھی بالبداہت باطل ہے اور اگر غرباء میں بھی نیکی ہوتی ہے، ان میں بھی تقویٰ ہوتا ہے، ان میں بھی تعلیم ہوتی ہے، ان میں بھی دیانت ہوتی ہے تو اس کا غریب رشتہ لینے سے انکار کرنا سوائے اس کے کوئی مفہوم نہیں رکھتا کہ یہ بھی دنیادارانہ خیالات اپنے اندر رکھتا ہے پس دونوں فریق کا یہ طریق عمل عقل اور حقیقت کے بالکل خلاف ہے اگر کوئی امیر اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے یہ کہتا ہے کہ شریعت نے بے شک دین اور نیکی کو مقدم قرار دیا ہے مگر مجھے دین ان دینداروں میں نظر نہیں آتا مجھے تو دنیاداروں میں دین نظر آتا ہے تو تم خود سوچ لو اس کا یہ فقرہ کتنا غیر معقول اور حقیقت سے دور ہوگا۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے دینداروں میں دیندار نظر نہیں آتا تو اس کی یہ بات ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی کہے کہ سفید تاگوں میں مجھے کوئی سفید تاگا نظر نہیں آتا یا سیاہ تاگوں میں مجھے کوئی سیاہ تاگا نظر نہیں

آتا۔ یا یہ بات ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ ہندوؤں میں مجھے کوئی ہندو نظر نہیں آتا مسلمانوں میں مجھے کوئی مسلمان نظر نہیں آتا۔ اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو یہ اس کے جنون کی علامت ہوگی اس کی عقل کا ثبوت نہیں ہوگا کہ دینداروں میں مجھے کوئی دیندار نظر نہیں آتا لیکن دنیاداروں میں مجھے دیندار نظر آتے ہیں۔ اسی طرح کسی واقف زندگی کا یہ طریق عمل اختیار کرنا کہ جب غریب لڑکیوں کے رشتے اس کے سامنے پیش ہوں تو وہ کہہ دے کہ ان میں نیکی اور تقویٰ کم ہے بتاتا ہے کہ اس کے نزدیک امراء میں تو نیکی ہوتی ہے غرباء میں نیکی نہیں ہوتی۔ پس ان الفاظ سے یہ دونوں اپنے جھوٹے ہونے، اپنے غیر متقی ہونے اور اپنے مشرک ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور دونوں دنیا پر نگاہ رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں یہ چیز ہے جس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ ہماری جماعت میں لاکھ پتی یا کروڑ پتی کوئی ہے نہیں۔ صرف چند لوگ ایسے ہیں جو اچھے کھاتے پیتے اور امراء میں شامل ہیں لیکن ان لوگوں کی ذہنیت یہی ہے کہ اگر کوئی واقف زندگی اپنی حماقت اور بیوقوفی سے ان کے سامنے رشتہ کی درخواست پیش کردے تو وہ یوں سمجھتے ہیں گویا انہیں بازار میں کھڑا کر کے جوتیاں ماری گئی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں جو واقف ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ جب غریب لڑکیوں کے رشتے ان کے سامنے پیش کئے جائیں تو وہ ان میں کئی کئی نقص نکالیں گے۔ کبھی کہیں گے تقویٰ اعلیٰ درجہ کا نہیں، کبھی کہیں گے تعلیم زیادہ اعلیٰ نہیں، کبھی کہیں گے سلسلہ سے انہیں محبت کم ہے لیکن جہاں کہیں کسی کھاتے پیتے آدمی کا رشتہ ان کے سامنے آجائے تو فوراً کہہ دیں گے ہاں یہ ٹھیک ہے یہ لڑکی نیک اور دیندار ہے۔ اس وقت انہیں نیکی بھی نظر آنے لگ جائے گی، اتقاء بھی نظر آنے لگ جائے گا، تعلیم بھی نظر آنے لگ جائے گی اور وہ اس رشتہ پر رضامند ہو جائیں گے۔ پس دونوں کا طریق عمل بالکل غلط، ناجائز اور خلاف اصول ہے۔ جب تک دونوں فریق اپنی اپنی اصلاح نہیں کریں گے اس وقت تک اس نقص کا ازالہ نہیں ہو سکے گا۔

یاد رکھو دنیا انہی لوگوں کے پیچھے پھرا کرتی ہے جو دنیا کو کلی طور پر چھوڑ دیتے ہیں وہ خدا کے لئے دنیا چھوڑتے ہیں اور دنیا کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ ان کے پیچھے پیچھے بھاگتی پھرتی ہے اور انسان حیران ہوتا ہے کہ اب میں جاؤں کہاں۔ لیکن جب تک دنیا پر نگاہ رکھی جائے دنیا آگے آگے بھاگتی ہے اور انسان اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہے مگر پھر بھی اسے دنیا حاصل نہیں ہوتی۔

یہ تقریب چونکہ ایک واقف زندگی کے نکاح کا اعلان کرنے کی غرض سے تھی اس لئے میں

نے یہ باتیں کہہ دی ہیں تاکہ جماعت کی اصلاح اور اس کے حالات کی درستی کا موجب ہوں۔ میں نے اعلان کیا ہوا ہے کہ میں سوائے اپنے عزیزوں کے اور کسی کا نکاح نہیں پڑھاؤں گا مگر چونکہ یہ واقف زندگی ہیں اور اس وجہ سے میرے عزیزوں میں ہی شامل ہیں اس لئے میں اس نکاح کا اعلان کر رہا ہوں اور اس بنیاد پر ایک دوسرے نکاح کا بھی اعلان کروں گا کیونکہ جب ایک نکاح پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں تو دوسرے نکاح کے اعلان میں میرا کوئی زائد وقت خرچ نہیں ہوتا۔

(الفضل ۲۲- جون ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ تا ۴)

۱ الفضل ۱۲- اپریل ۱۹۴۴ء صفحہ ۱
۲ اٰل عمران : ۱۰۵
۳ تذکرہ صفحہ ۶۶- ایڈیشن چہارم
۴ الحجرٰت : ۱۴
۵ النساء : ۴